

جامعہ حقانیہ کاترجان

ساہیوال
سرگودھا

الحقانیہ

مجلد

محرم الحرام ۱۴۳۸ھ / اکتوبر ۲۰۱۶ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور برہ مندی قدس سرہ

فہرست

- 3 ماہ محرم الحرام اور عاشوراء فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
- 7 درس حدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
- 8 ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ فقیہ ملت حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ
- 9 فضائل حفظ قرآن مجید شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ
- 16 تزکیہ نفس کی ضرورت و اہمیت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم
- 30 سڑکوں کا ناجائز استعمال حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
- 36 مجالس ذکر اور شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم
- 43 عدد 786 کی تحقیق ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی مدظلہم

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر: 0304-7310038

ماہ محرم الحرام اور عاشوراء

یوم عاشوراء

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس دن کا روزہ رکھنا رمضان کے بعد تمام روزوں سے افضل ہے (مسلم) اور ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ایک عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا تمام گذشتہ سال کے (صغائر) چھوٹے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے (مسلم)

ابتداء اسلام میں عاشوراء کا روزہ فرض تھا پھر رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد عاشوراء کے روزہ کی فرضیت ختم ہو گئی، البتہ اس کا سنت ہونا اب بھی باقی ہے، اس دن روزہ رکھنا اب بھی بڑا ثواب اور اجر کا باعث ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ باطن ہمیشہ اپنے ظاہر سے متاثر ہوتا ہے اسلئے اسلام نے کفار کی ظاہری طرز بود و باش کے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس خیال کے ماتحت چونکہ عاشوراء کا روزہ رکھنا یہودیوں کی مشابہت سے خالی نہ تھا، ادھر اس کو چھوڑ دینا اس کی برکات سے محرومی کا باعث ہوتا، اس لئے علماء اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ ایک دن کا روزہ اس کے ساتھ اور ملاو بہتر تو یہ ہے کہ نویں دسویں کا روزہ رکھو، اور اگر کسی وجہ سے نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو پھر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لے، صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا حسب تصریحات فقہاء کرام کراہت سے خالی نہیں ہے۔

دسویں محرم کو اپنے اہل و عیال پر فراخی کرنا

شریعت اسلامیہ نے اس دن کیلئے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ اپنے اہل و عیال پر کھانے پینے میں فراخی اور وسعت کرنا اچھا ہے، اس پر تمام سال فراخی رزق کے دروازے کھول دئے جائیں گے، چونکہ اس روز رحمتوں کی بارش ہوتی ہے اس لئے مسلمان جس حالت میں

اس روز اپنے کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے حق تعالیٰ بھی ان کے ساتھ تمام سال وہی معاملہ فرمائیں گے، یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر یوم عاشوراء میں آپ نفلی عبادات اور دعا و استغفار میں مشغول رہیں تو حق تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ تمام سال آپ کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماتے رہیں، جب آپ نے اپنے کو اس دن عبادت میں پیش کیا ہے تو امید ہے کہ حق تعالیٰ آپ کے ساتھ تمام سال یہی معاملہ فرمائیں گے۔

اب جبکہ ماہ محرم میں خاص انوار و تجلیات الہی کے نزول کے باعث ذاتی فضیلت بھی پائی جاتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عبور دریائے نیل وغیرہ عظیم الشان واقعات کے اس ماہ میں پیش آ جانے کی وجہ سے بھی عرضی طور پر محرم کے مہینہ کو فضیلت حاصل ہے حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا احترام کفار عرب کیا کرتے تھے۔ ان امور و فضائل کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول ہو کر تجلیات رحمت سے وافر حصہ حاصل کرتے مگر ہم نے محرم الحرام کے مہینے اور خاص طور پر اس کی دسویں تاریخ میں طرح طرح کی خود تراشیدہ رسومات و بدعات کا اپنے کو پابند کر کے بجائے ثواب حاصل کرنے کے الٹا معصیت اور گناہ میں مبتلا ہونے کا سامان بنالیا۔ پھر کوئی ایک آدھ رسم و بدعت نہیں جو اس متبرک و محترم مہینے میں کی جاتی ہو بلکہ چند در چند رسومات و بدعات کا اس ماہ کو مجموعہ بنا دیا اور اس طرح ہر قسم کی عملی بے راہروی اور بد اعتقادی اس میں جنم لینے اور سراٹھا کر ابھرنے لگتی ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ماہ محرم کی فضیلت کی وجہ سے جس طرح اس میں عبادات کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح اس ماہ کے اندر گناہوں اور معصیت میں ملوث ہونے کے وبال و عقاب کے بڑھ جانے کا بھی اندیشہ ہے، اس لئے ہر مسلمان کیلئے بہت ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی بدعات اور رسومات سے احتراز کر کے صرف ان عبادات اور ان امور کی

انجام دہی میں مشغول رہے جن کی ہدایات پیغمبر ﷺ نے اس ماہ کے اندرامت کو دی ہیں اور وہ صرف دو کام ہیں ایک نویں دسویں کا روزہ جو کہ سنت ہے، دوسرے دسویں کو اپنی استطاعت کے موافق اپنے اہل و عیال پر کھانے میں وسعت و فراخی کرنا جو کہ مستحب ہے جیسا کہ اوپر تحریر ہذا میں مفصل گذرا۔ ان دو کاموں کے علاوہ جن رسومات کا رواج ہمارے زمانہ میں ہو رہا ہے وہ سب قابل ترک ہیں، ان میں سے بعض مروجہ بدعات و رسومات کا تذکرہ اس جگہ بھی کیا جاتا ہے تفصیل کیلئے اصلاح الرسوم وغیرہ کتب ملاحظہ ہوں۔

(۱) تعزیہ بنانا: اس کے ساتھ طرح طرح کی بداعتقادی کا معاملہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض جہلاء تعزیہ کے سامنے نذر و نیاز رکھتے ہیں جس کا کھانا و ما اہل بہ لغير الله میں داخل ہو کر حرام ہے۔ اس کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑے ہو کر عرض حاجات کرتے ہیں، اس پر لکھ کر عرضیاں لٹکاتے ہیں، اس کے دیکھنے کو زیارت کہتے ہیں، اس قسم کے بہت سے معاملات اس کے ساتھ کرتے ہیں جو سخت معصیت ہیں اور بعض ان میں سے درجہ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں۔

(۲) معازف و مزامیر ڈھول وغیرہ کا بجانا اور فساق و فجار کا جمع ہونا جس میں بہت مرتبہ فحش اور ناگفتہ بہ واقعات کا بھی وقوع ہوتا ہے۔

(۳) مرثیہ پڑھنا جس کی حدیث ابن ماجہ میں سخت ممانعت آئی ہے، اکثر موضوع اور من گھڑت روایات پڑھنا جس کی نسبت حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ماتم کرنا، نوحہ کرنا، سینہ کو پی کرنا، ہائے ہائے کرنا سب ممنوع ہیں۔

(۴) محرم کے ایام میں قصد ازینت ترک کرنا جس کو سوگ کہتے ہیں..... اسی طرح بعض لوگ ان ایام میں شادی بیاہ کرنے اور خوشی کرنے سے سوگ کی وجہ سے رک جاتے ہیں، بعض میاں بیوی کے خاص تعلقات کو ان دنوں میں برا سمجھتے ہیں، اسی طرح پان

کا کھانا چھوڑ دینا، پلنگ پر نہ سونا بلکہ اس کو الٹا کر دینا، عمدہ کپڑے نہ پہننا، چوڑی توڑ دینا ان دنوں میں شرع سے ثابت نہیں ہے اور نہ شریعت میں ان کاموں کی ایام محرم میں کوئی ممانعت آئی ہے۔

(۵) کسی خاص لباس یا خاص رنگ وغیرہ کے ذریعہ اظہار غم کرنا۔

(۶) حضرات اہل بیت کی عورتوں کا ذکر برسر بازار کیا جاتا ہے، کوئی منصف مزاج شریف الطبع انسان اپنے خاندان کی عورتوں کا اعلان اس طرح گلی کوچوں اور بازاروں میں ہونا پسند نہیں کر سکتا۔

(۷) کچھڑیاں اور کچھ کھانا پکا کر احباب کو یا مساکین کو دینا، اس کا ثواب حضرت امام کو پہنچانا۔

(۸) شربت پلانا: جب پانی پلانا ثواب کا کام ہے تو گرمی میں شربت پلانے میں کیا حرج تھا؟ مگر اس شربت کی بعض جگہ ایسی پابندی کر لی گئی ہے کہ چاہے موسم سردی کا ہی کیوں نہ ہو مگر شربت پلایا جاتا ہے، یہ رسم کی پابندی ہے اس کو ترک کرنا چاہئے۔ اس شربت پلانے میں ایک پوشیدہ اعتقادی خرابی یہ بھی ہے کہ حضرات شہدائے کربلا چونکہ پیاسے شہید ہوئے تھے اور شربت پیاس بجھانے والا ہے اس کو اس لئے تجویز کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے عقیدہ میں عین شربت پہنچتا ہے جس کا باطل ہونا قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔

(ماخوذ از السعی المشکو فی احکام العاشور)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن ابی امامۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وعدنی ربی ان یدخل الجنة من امتی سبعین الفاً لا حساب علیہم ولا عذاب مع کل الف سبعون الفاً وثلاث حثیات من حثیات ربی۔ (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ میرے پروردگار نے مجھے سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے گا، اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہی ہزار اور ہوں گے۔ اور تین حثیے اور میرے پروردگار کے حثیات میں سے (میری امت سے بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے)

تشریح: جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے، تو عربی میں اس کو حثیہ کہتے ہیں جس کو اردو اور ہندی میں لپ بھر کر دینا کہتے ہیں، تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے گا، اور پھر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہی اور اسی طرح بلا حساب و عذاب جنت میں جائیں گے، اور اس سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت سے اس امت کی بہت بڑی تعداد کو تین دفعہ کر کے اور جنت میں بھیجے گا، اور یہ سب وہی ہوں گے جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ سبحانک و بھمک یا ارحم الراحمین۔

اس قسم کی حدیثوں کی پوری حقیقت اسی وقت کھلے گی جب یہ سب باتیں عملی طور پر سامنے آئیں گی، اس دنیا میں تو ہمارا علم و ادراک اتنا ناقص ہے کہ بہت سے ان واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے سے بھی ہم قاصر رہتے ہیں جن کی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں مگر اس قسم کے واقعات کا کبھی ہم نے تجربہ اور مشاہدہ کیا ہوا نہیں ہوتا۔ صدق ربہ عزوجل۔ وما اوتیتہم من العلم الا قلیلاً۔

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

از قلم: حضرت مولانا مفتی جمیل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

- فرمایا مجتہدین میں ایک مخصوص بات یہ ہوتی ہے کہ وہ نصوص سے ایسے اصول کو مستنبط کر سکتے ہیں کہ وہ اصول کہیں ٹوٹتے نہیں، اور جو اصول متاخرین نے مجتہدین کی تفریعات سے استنباط کئے ہیں وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔
- فرمایا عارفین کی نظر میں حق تعالیٰ کے وجود پر جو دلائل ہیں وہ حقیقت میں دلیل نہیں، کیونکہ دلیل عادتاً مدلول سے واضح ہوتی ہے اور واجب تعالیٰ سے زیادہ کوئی شے واضح تر نہیں بلکہ واجب سب سے واضح ہے آفتاب آمد دلیل آفتاب۔
- فرمایا مولانا فضل حق صاحب سے کسی نے پوچھا تھا کہ مولانا شہید کیسے ہیں؟ فرمایا وہ ایسے ہیں کہ اُن کے مقابل کیلئے یہ فخر کافی ہے کہ وہ ان کا مقابل ہے۔ پھر شاہ اسحاق صاحب کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا اس وقت تو انسانوں کا قصہ ہو رہا ہے، جب فرشتوں کا ذکر ہوگا اُن کے ساتھ ان کے متعلق پوچھنا۔
- فرمایا اب تو بس مسلمانوں کو چاہئے کہ سب لگ لپٹ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہو گیا ہے کہ اللہ میاں دعا قبول نہیں کرتے، اور یہ محض خلاف واقعہ ہے، مسلمانوں کی دعا تو درکنار اللہ تعالیٰ نے تو شیطان کی دعا کو بھی رد نہیں فرمایا، منظور ہوئی اور ایسی حالت میں جبکہ وہ مردود کیا جا رہا تھا، چنانچہ ارشاد ہے قال انظرنی الی یوم یبعثون، قال انک من المنظرین اور پھر دعا بھی اتنی بڑی کی ہے کہ کسی نبی نے بھی آج تک نہیں کی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

فضائل حفظ قرآن مجید

میرے محترم! قرآن مجید ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جس کے برابر کوئی نعمت نہیں، اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت اس عالم ظاہری میں اس طرح لکھی ہوئی موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کلام قدیم کو ان الفاظ اور عبارات کے لباس میں ظاہر فرمایا ہے۔ اس سے پہلے پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ کی کتابیں اتاری گئیں مگر وہ کلام خداوندی نہیں تھیں اور یہ کلام اور کتاب دونوں ہیں، یہ حصہ فقط ہمارے آقا حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا، اسی وجہ سے اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی خود اللہ تعالیٰ ہوا: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔

جیسے دنیاوی بادشاہ اپنے خاص ملازموں اور خاص خاص سپاہیوں سے کام لیتا ہے اور پھر اس کو اپنا کام بتاتا ہے، کہتا ہے ہم نے فلاں ملک فتح کیا، ہم نے فلاں قلعہ بنوایا، ہم نے فلاں دشمن کو شکست دی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے ملازمین خاص کے ذریعہ سے اس قرآن کی حفاظت کراتا ہے اور ان کی حفاظت کو اپنا فعل قرار دیتا ہے، اس سے آپ حافظان قرآن کی خصوصیت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی کا اندازہ کر سکیں گے، فرمایا: وانا له لحافظون، دوسری جگہ ہے: ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا الآية، پھر اپنی کتاب کا وارث ہم نے ان لوگوں کو کیا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چھانٹ لیا تھا۔

میرے محترم بھائی! کیا یہ نعمت کوئی کم ہے جو کہ ازل سے آپ کیلئے مقرر کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور مصطفیٰ لوگوں میں آپ کا شمار ہو، اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کا آپ کا سینہ خزانہ بنے، اس کے بنائے ہوئے الفاظ اور حروف آپ کی زبان پر جاری ہوں، خداوند کریم رب العالمین کے ملازمین خاص میں آپ کو جگہ ملے، بتائیے کیا اس کے

براہر تمام دنیا اور اس کی نعمتیں ہو سکتی ہیں؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ حافظ قرآن جس نے اس کو بخوبی یاد کیا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا اس کی شفاعت اس کے خاندان کے ایسے دس آدمیوں کیلئے منظور کی جائے گی جو کہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخی ہو چکے ہوں گے، اس کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، یہ حدیث نہایت صحیح اور قوی ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حافظ قرآن کو جنت کے نیچے کے دروازہ پر کھڑا کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جس طرح دنیا میں قرآن پڑھا کرتا تھا اسی طرح قرآن پڑھتا ہوا جنت کی سیڑھیوں پر چڑھ جہاں تیرا قرآن ختم ہوگا وہاں تیری منزل جنت میں ہوگی۔

ذرا غور فرمائیے کہ دونوں بشارتیں جو کہ نہایت قوی حدیثوں سے ثابت ہیں ان کے سامنے دنیا کی بادشاہت اور دنیا کی کسی نعمت کی کوئی قدر شمار کی جاسکتی ہے؟ اسی واسطے ارشاد ہے:

ولقد اتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم لا تمدن عينيك الى ما متعنا به
ازواجاً منهم الآية ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا، مت اٹھا
اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان کے کئی طرح کے لوگوں کو۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ نے قرآن دیا ہو پھر کسی کی اور نعمت کو دیکھ کر جو ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔

احادیث صحیحہ اور آثار نیز دلائل قرآنیہ اس نعمت کی بڑائی اور بزرگی میں بے شمار ہیں، نہ ان سب کا پیش کرنا مقصود ہے اور نہ اس کا موقع ہے، مگر جو امور میں پیش کر چکا ہوں یہ میرے مقصد کیلئے کافی ہیں، ان سے چند نتائج نکلتے ہیں:

- (۱) اس عظیم الشان مقصد کیلئے جو کچھ بھی قربانی کی جائے وہ تھوڑی ہے، خواہ وقت کی ہو، خواہ عمر کی ہو، خواہ مال کی ہو، خواہ راحت و آرام کی ہو، خواہ دنیاوی عزت و جاہ کی ہو۔
- (۲) قرآن مجید کے یاد کرنے اور اس کے بار بار تلاوت کرنے میں پوری جدوجہد کرنی چاہئے اور حتی الوسع کوشش ہونی چاہئے کہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے تھے اس طرح پڑھا جائے یعنی تجوید بھی ہو، ترتیل بھی ہو، معانی کا دھیان بھی، حضور قلب بھی ہو، مقدار تلاوت کی زیادتی بھی ہو، مداومت بھی ہو۔
- (۳) قرآن کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کتاب کی حفاظت کیلئے یاد کرنا اور پڑھنا ہو، دنیا حاصل کرنے کیلئے نہ ہو، اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھایا جائے، نفس کی خرابیوں اور کثافتوں کو دور کیا جائے، اس کو آلہٴ حطام دنیا (دنیا کا ایندھن) نہ بنایا جائے جیسا کہ بہت سے بیوقوف حفاظ آج عمل کر رہے ہیں۔
- (۴) اس نعمت کو تمام دنیا اور آخرت کی نعمت سے بالاتر سمجھا جائے، اور اس کی قدر و منزلت کی جائے، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیا جائے، اور اگر دنیاوی مشکلات پیش آئیں تو صبر کیا جائے، اور ایسے کلمات اور اعمال ہرگز نہ کئے جائیں جن سے اس نعمت کی بے قدری اور دوسری نعمتوں کی بالخصوص دنیاوی اور مالی نعمتوں کی عزت سمجھ میں آئے۔
- (۵) اگر کسی شخص کو اشرفیوں یا ہیرے، جواہرات، موتیوں کی بڑی تھیلی مل جائے تو وہ کوڑیوں، پیسوں، روپیوں کی تھیلیوں بلکہ ڈھیر کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھاتا، ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا یا ان کی طرف راغب ہونا تو درکنار، اسی طرح جس کو اتنی بڑی عظیم الشان نعمت مل جائے حطام دنیا، مال، عزت، گھربار، باغ، زمین وغیرہ کی طرف اس کا توجہ کرنا اور ان چیزوں میں سرگرداں رہنا اور دل و دماغ میں اس کو بسانا وغیرہ درست نہ ہوگا۔ ہاں عقل اور سمجھ سے خالی ہو جاوے اور بالکل بچوں کی طرح بے سمجھ اور بے عقل ہو جائے جو کہ ریوڑی کے ڈھیر پر اشرفیوں اور روپیوں کو قربان کر دیتے ہیں تو البتہ اس سے یہ فعل سرزد

ہوگا اور اس کی انتہائی بے عقلی اور جہالت اور کفرانِ نعمت میں سے شمار کیا جائیگا۔

(۶) اگر کسی شخص کو شہنشاہِ زماں نے پسند کر کے اپنے خصوصی غلاموں اور خادموں میں جگہ دے دی تو وہ شخص ماوشما تو درکنار بڑے بڑے نوابوں، راجاؤں اور وزیروں تک کو خیال میں نہیں لاتا ہے بلکہ سب اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور وہ اپنی عزت اور مرتبہ سب سے اونچا (سمجھتا) ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ازل سے چن کر اپنے کلامِ قدیم کا محافظ بنایا اور اپنے خاص مصطفیٰ بندوں میں اس کو جگہ دی حیف بلکہ صد حیف ہوگا اگر اس نے اہل دنیا اور اہل ثروت کو اپنے سے بالاتر سمجھ کر ان کی ثروت اور دنیا کی خواہش اور طمع کی اور اس میں اپنی عزت اور وقعت سمجھی۔

میرے محترم! مذکورہ بالا مقدمات اور نتائج پر غور کیجئے اور اگر میں غلط کہتا ہوں تو مجھ کو بتائیے، یقیناً آپ کو خوش و خرم رہنا چاہئے اور ہمیشہ شکر کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نوازا ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ اس دنیا میں کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، رہنا، سہنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے نہ دین کا کام ہو سکتا ہے نہ دنیا کا، پھر اگر ہم قرآن اور دین کی خدمت ہی میں لگے رہیں اور ان ضروریاتِ زندگی کا سامان نہ کریں جو کہ بغیر پریشانی اور جدوجہد حاصل نہیں ہوتیں تو کس طرح کام چل سکتا ہے؟

میرے محترم! میں طلبِ رزق میں کوشش کرنے کو منع نہیں کرتا، میں دنیا اور اس کی عزت کو آپ کے قلب اور دماغ میں جگہ دینے، اور اس میں قلب اور دماغ کو پریشان رکھنے، اور اپنی حاصل کردہ نعمت کو حقیر بلکہ لالچنی سمجھنے، اور اہل ثروت کی نعمتوں کو عزیز ترین سمجھنے، اور اس کیلئے سرگرداں ہونے کو منع کرتا ہوں۔ جس طرح مکان میں پاخانہ ضروری ہے اس میں روزانہ تھوڑا وقت صرف کرنا ضروری ہے، جو مکان اس سے خالی ہو وہ مکان ناقص ترین مکان سمجھا جاتا ہے، جس شخص کو روزانہ کچھ وقت بھی پاخانہ میں صرف کرنے کی حاجت نہ ہو تو وہ بیمار شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح دنیاوی جدوجہد اور اس کے ذرائع و اسباب

ہیں، بقدر ضرورت ان میں وقت خرچ کیجئے اور دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اور کلام میں لگائیے۔

ذرا غور کیجئے اور اپنی معیشت موجودہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کا مقابلہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہننے کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساز و سامان کو۔ مجھ کو یقین کامل ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان دنیاوی ضروریات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدرجہا فادیت میں پائیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عمر بالخصوص زمانہ رسالت میں جو کی روٹی بھی ایک وقت پیٹ بھر کر نہیں ملی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر فاقوں پر فاقے کرنے پڑتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دودھ مہینے کامل آگ نہیں جلتی تھی، گہوؤں کے آٹے کی روٹی تو درکنار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان بلکہ سب حجرے کچی اینٹوں کی دیوار والے تھے، چھت پر صرف کھجور کے پتے رکھے ہوئے تھے، پانی برستا تھا تو اندر آتا تھا، چھت اتنی اونچی تھی کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مراہق (قریب البلوغ) تھا آنحضرت علیہ السلام کے حجروں میں جب جاتا تھا تو میرے سر سے اس کی چھت لگتی تھی، بستر موٹے ٹاٹ یا چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کے جالے بھرے ہوئے تھے۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ کا مکان، آپ کا کھانا پینا وغیرہ اسی قسم کی تنگی رکھتا ہے یا اس سے زیادہ پیانا پر ہے۔

صحابہؓ اور اصحاب صفہؓ کی تنگی معیشت کا یہاں تذکرہ ہی نہیں کیا جاسکتا، جن میں بعض بعض کو بھوک کی وجہ سے غشی پر غشی آتی تھی اور ممبر شریف سے مخراب شریف تک چلنے میں گرتے پڑتے تھے جس طرح مرگی والا گرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث ہیں ان کا یہ حال تھا، اگر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اور بعد کے اولیاء اللہ اماموں کے احوال ذکر کروں تو بہت بڑا فخر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو دنیاوی تنگی میں مبتلا کیا جاتا ہے یہ خوشی کی بات ہے دل تنگی اور رنج کی نہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اشد الناس بلاءً الانبياء ثم الامثل فالامثل سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں پھر درجہ بدرجہ ان کے مثلوں اور تابعداروں پر آتی ہیں۔ اگر کوئی شخص دیندار ہے اور پھر دنیاوی تنگیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہے تو اس کیلئے خوشخبری ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت سے حصہ دار ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو دنیاوی تکالیف میں ڈالتا ہے اور اس کے ذریعہ سے ان کے ذنوب اور گناہوں کو دور کرتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من یرد اللہ بہ خیرا یرد اللہ بہ خیرا یصیب منہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو مصائب میں مبتلا فرماتا ہے۔

آپ فرمائیں گے پھر ماں باپ کا کیا کروں؟ وہ اس عیش اور زندگی پر قانع نہیں ہوتے، وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو میں ان کو کما کر لالا کر دوں۔ تو میرے محترم یہ ان کی نادانی ہے اور حقیقی کامیابی اولاد کی اور اپنی نہیں سمجھتے، آپ کے حفظ قرآن اور دیندار ہونے سے ان کی آخرت کی زندگی جس کی کوئی حد اور مدت نہیں ہے یقیناً سنور گئی، ان کو اس پر انتہائی خوش رہنا چاہئے اور موٹے جھوٹے رزق پر قناعت کرنی چاہئے، افسوس ہے کہ وہ نہیں سمجھتے۔ آپ کو ان کا مقابلہ نہ کرنا چاہئے اور ان کو خوش رکھنا چاہئے اور اپنے متوسط درجہ کے طلب رزق سے ان کی خدمت کرتے رہنا چاہئے، خدا کو ناراض کر کے ماں باپ کو راضی کرنے کا حکم نہیں ہے، کیا آپ کیلئے جائز ہوگا کہ چوری، ڈکیتی یا حرام طریقہ پر مال حاصل کر کے ماں باپ کو خوش کریں؟

بہر حال آپ حفظ قرآن اور استقامت علی الدین میں کوشاں رہیں اور بڑی مستعدی سے کوشاں رہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی نعمت سمجھیں اور حطام دنیا کی کمی

پر دل تنگ نہ ہوں، معاش کے واسطے ممکن اور جائز درجہ تک ظاہری جدوجہد بھی جاری رکھیں اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، ماں باپ کا دل کبھی نہ دکھائیں، وہ برا کہیں، گالیاں دیں، ماریں، پیٹیں تو آپ مردانہ وار صبر کریں، مقابلہ ہرگز نہ کریں۔ آپ کی جو مشکلات معاشیہ ہیں خواہ مکان کے متعلق ہوں یا خوردونوش وغیرہ کے حسب بیان بالا ان میں آپ کو صبر و شکر، قناعت و تحمل سے کام لینا چاہئے، قلب و دماغ کو ان میں پریشان نہ کرنا چاہئے، دن و رات اسی دھن اور فکر میں نہ رہنا چاہئے، توسط اور تقویٰ کے ساتھ عملی کارروائی کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل چاہئے:

ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه الآية جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا اس کیلئے اللہ تعالیٰ مشکلات سے نکلنے کا راستہ کر دے گا، اور ایسی جگہ اور طریقہ سے رزق پہنچائے گا کہ جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہ تھا اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہوگا۔ صلوة الحاجہ پر بلا ناغہ مداومت کیجئے، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ مشکلات حل ہوتی جائیں گی۔

(۸/ رجب ۱۳۶۳ھ (مکتوبات ص ۷۲ ج ۴)

(بحوالہ: معارف مدنی مؤلفہ فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ)

جمع و ترتیب: مولوی عتیق الرحمن سلمہ

تزکیہ نفس کی ضرورت و اہمیت

بصیرت (افروز خطاب)

رئیس المدین حضرت الشیخ مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم

بمقام: جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا مورخہ ۲۰/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ بروز سوموار ۶/ ستمبر ۲۰۰۴ء

بعد الحمد والصلوة:

حضرت مولانا نے جو اعلان فرمایا ہے اس میں کچھ کسر رہ گئی وہ کسر میں پوری کر دوں، وہ کسر یہ رہ گئی کہ کراچی کے علاوہ دوسری جگہوں کے جو تخصص کے طالب علم تھے ان کو اجازت حدیث دی جا رہی ہے کراچی والوں کو کیوں نہیں دی جا رہی، یہ آپ کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ بھئی مولوی بھی کراچی کا طالب علم بھی کراچی کے اور ان کے ساتھ یہ امتیازی سلوک جیسے کہ کوئی دوسرا باپ کیا کرتا ہے اور سگے باپ کا طریقہ نہیں ہوتا یہ کیوں کیا گیا، یہ شبہ ہونا اس کا جواب یہ ہے کہ کراچی والے پہلے اجازت حاصل کر چکے ہیں تو جب وہ پہلے اجازت حاصل کر چکے ہیں تو اب ان کو ضرورت نہیں۔
علمی گفتگو کا فائدہ

یہ تو ایک بات تھی اور بھائی دوسری بات یہ ہے کہ جب سے مجھے ہوش آیا ہے اور جب سے میں نے اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھنا سمجھنا شروع کیا ہے میری ساری زندگی مدرسہ ہی میں گزری ہے مجھے کہیں باہر رہنے کا موقع ملا ہی نہیں، تو اس لئے میری بول چال میری سوجھ بوجھ میرا سوچنے کا انداز میری باتیں وہ ساری مدرسہ کی اصطلاح اور مدرسے کے طریقے سے ہوتی ہیں، چونکہ مدرسہ والی باتیں دوسرے حضرات جو مدرسے سے باہر ہوتے ہیں ان کے پلے میں اچھی طرح نہیں آتی اور مدرسہ والے اس کو خوب سمجھتے

ہیں۔ اس لئے کہ ان کے ہاں باتیں ہی اس طرح کی ہوتی ہیں اگر میری کچھ باتیں ایسی بھی ہوں جو آپ کی سمجھ میں نہ آئیں تو بھی فائدہ ضرور ہوگا آپ ان باتوں کو بے کار نہ سمجھیں اور چونکہ آپ اللہ کی رضا کے لیے سننے کے واسطے آئے ہیں اور میں نے بھی ارادہ کیا ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے بات کی جائے تو اس واسطے امید یہ ہے کہ فائدہ ہوگا اس پریشانی میں نہ پڑیں کہ یہ مولوی صاحب نے کیا کہہ دیا ویسے مولوی کوشش یہ کرے گا کہ جو کہے گا وہ آپ کی سمجھ میں کچھ نہ کچھ آئے لیکن یہ کہ اگر کسر رہ جائے تو آپ اس کسر کی پرواہ نہ کریں۔

تعارف الہی

میں نے ایک آیت تلاوت کی ہے ہوالذی بعث فی الامیین رسولاً منہم یتلو علیہم آیاتہ الخ قرآن کریم کی اس آیت میں ایک انداز میں اللہ رب العزت کا تعارف کرایا گیا ہے، اللہ کون ہے؟ تو فرماتے ہیں اللہ وہ ہے جس نے اپنے نبی کو امی اور ان پڑھ لوگوں کے درمیان بھیجا اور کمال یہ ہے کہ امیوں اور ان پڑھ لوگوں میں جو نبی بھیجا وہ بھی امی ہی بھیجا، نبی امی، قوم امی اور کام کیا ہے؟ یتلو علیہم آیاتہ الخ۔

نبی امی ہے اور قوم بھی امی ہے اور وہ نبی ان کے سامنے قرآن تلاوت کرتا ہے، نبی جب امی ہے تو کیسے تلاوت کرتا ہے اور قوم جب امی ہے تو اس تلاوت سے اس کو فائدہ کیا ہوتا ہے؟ تو بتلایا گیا کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ اس کے باوجود کہ قوم بھی امی ہے اور نبی بھی امی ہے لیکن اس سے تلاوت کراتا ہے اور قوم کو اس سے فائدہ پہنچاتا ہے اور ایسا فائدہ پہنچاتا ہے کہ وہ کھلی ہوئی گمراہیوں سے نکل کر ہدایت کے آفتاب، ہدایت کے ماہتاب، ہدایت کے چاند سورج بن جاتے ہیں، ہوالذی بعث فی الامیین رسولاً منہم، منہم سے پتا چل رہا ہے کہ پیغمبر بھی امی ہے قوم بھی امی ہے اور اللہ نے اس امی کو منتخب کیا ہے ان کی رہنمائی کیلئے اللہ کا تعارف قرآن میں اور بہت جگہ ہے قل ہواللہ احد اللہ الصمد لم

یلدولم یولدولم یکن له کفوًا احد۔

وہ ایک ہے وہ بے نیاز ہے سب اس کے محتاج ہیں کسی طرف اس کو احتیاج نہیں
وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اللہ کا تعارف اور بھی
کیا گیا ہے:

هو الله الذي لا اله الا هو علم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم هو الله
الذي لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار
المتكبر سبحن الله عما يصفون هو الله الخالق الباري المصور له الاسماء الحسنی
يسبح له مافى السموات والارض وهو العزيز الحكيم -

یہ سارا اللہ کا تعارف ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا تعارف قرآن کریم کی آیات میں
جگہ جگہ موجود ہے اور جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس آیت کے اندر
بھی اللہ تعالیٰ کا تعارف بیان کیا گیا ہے، قرآن کریم میں اس آیت کے اندر یتلوا علیہم
آیاتہ کے بعد ویز کیہم ہے و یعلمہم الكتب والحكمة اس کے بعد ہے۔

میں ترتیب ذکر کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہوں پہلے بعث فی الامیین
رسولاً منہم یتلوا علیہم آیاتہ تلاوت کا ذکر اس کے بعد ویز کیہم تذکرہ ہے اس کے
بعد ہے و یعلمہم الكتب والحكمة اور اس کے بعد میں ہے وان کانوا من قبل لفی
ضلل مبین۔

یعنی تلاوت کے بعد تذکرہ کا اہتمام ہوا تذکرے کے تعلیم ہوئی تعلیم کے بعد ہدایت
آئی وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین میں یہی بتایا گیا ہے کہ انجام یہ ہوا کہ وہ لوگ
جو گمراہی کے اندر مبتلا تھے وہ ہدایت کے آفتاب اور ماہتاب بن گئے۔ اس کے معنی ہیں
کہ ہدایت کا چرچہ ہو گیا، ہدایت کا رواج ہو گیا، لوگ ہدایت پر فائز ہو گئے ورنہ پہلے تو وہ
گمراہ تھے۔

تزکیہ اور فلاح

اب اس کے بعد آگے سمجھئے اور تلاوت کے بعد تزکیہ کا ذکر ہے تزکیہ جو ہوتا ہے یہ دنیاوی چیز ہے اسی پر مجھے زور دینا ہے اور میری گفتگو کا موضوع اسی تزکیہ کی اہمیت ہے اس لئے کہ قرآن کہتا ہے کہ قد افلح من تزکی کا میاب وہ ہے جس کا تزکیہ ہوا قرآن کہتا ہے قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی بل تو ثرون الحیوة الدنیا والآخرۃ خیر وابقی ان ہذا فی الصحف الاولی الخ ایک جگہ تو قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا کہ اگر آدمی تزکیہ اپنا کرے گا تو کامیاب ہوگا اور تزکیہ نہیں کرے گا تو کامیاب نہیں ہوگا فلاح تزکیہ پر موقوف ہے تزکیہ نہیں ہوگا فلاح نہیں ہوگی قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی یہاں بھی یہی ہے کہ فلاح تزکئے پر موقوف ہے۔

فلاح کی حقیقت

سب سے پہلے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ فلاح کیا ہے؟ الـم ذلک الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصلوة ومما رزقنهم ينفقون والذين يؤمنون بما نزل اليك وما نزل من قبلك وبالاخرة هم يوقنون اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون۔ فلاح یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ تقویٰ ہو ہدی للمتقین غیب پر ایمان ہو آگے ہے نماز کا اہتمام ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی ہو اور مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہو اور اس کے بعد مؤمنون بالغیب اور جب آپ پر قرآن نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور جو پہلے پیغمبروں پر اللہ نے وحی نازل کی اس کو بھی صحیح مانے اور اسی طریقہ پر پھر یہ لوگ ہدایت یافتہ ہوئے ہیں اور یہ لوگ فلاح پانے والے ہوئے ہیں، یہ فلاح ہے، فلاح یہ نہیں ہے کہ کاروبار چمک جائے فلاح یہ نہیں ہے کہ رقبہ آپ کا دس ایکڑ کی بجائے پچیس ایکڑ بن جائے فلاح یہ نہیں ہے کہ آپ بینک بیلنس دو لاکھ کی بجائے پانچ لاکھ ہو گیا۔

دین و دنیا دونوں کی کامیابی مقصود ہے

ہمیشہ یاد رکھیں ہمارے یہاں کامیابی اس کو سمجھا جاتا ہے کہ دنیا کی کامیابی ہو، فلاح اس کو نہیں کہتے فلاح کہتے ہیں دنیا اور دین دونوں کی کامیابی کو، کامیابی دنیا کی بھی اور کامیابی آخرت کی بھی، اگر دنیا کی کامیابی ہے آخرت کا کامیابی نہیں ہے تو نامکمل ہے اس کے برعکس اگر آخرت کی کامیابی مل جائے اور دنیا کی کامیابی نہ ہو تو محرومی نہیں ہے دنیا میں اگر ناکامی ہوگی چند دنوں کی ہوگی اور آخرت کے اندر ناکامی بربادی بڑی تباہ کن اور بہت نقصان دہ اور ابد الابد تک کیلئے ہوگی اور اس کے برخلاف اگر کامیابی دنیا میں ہوگی چند دن کی ہوگی اور آخرت میں ہوگی تو ابد الابد کی کامیابی ہوگی تو اس لئے کامیابی درحقیقت وہ کامیابی ہے جو دنیا و آخرت دونوں کیلئے ہو اور اس میں ترجیح دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ہے جی علی الفلاح نماز کیلئے آؤ کیوں خریدار دکان پر زیادہ آجائیں گے، ارے اذان میں آپ کو نماز کی دعوت دی جاتی ہے کہ نہیں کیوں آپ بتاؤ دنیا کی کامیابی کیلئے یا آخرت کی کامیابی کیلئے تو ہم یہ عرض کر رہے ہیں فلاح موقوف ہے تزکیے پر یہ ہم پہلے بیان کر چکے اب یہ بیان کر رہے ہیں فلاح کیا ہے تو فلاح یہ ہے کہ ایمان ہو فلاح یہ ہے کہ تقویٰ ہو فلاح یہ ہے کہ اللہ کی ذات پر یقین ہو اور فلاح یہ ہے کہ انبیاء کا تقدس اور ان کی عظمت کا یقین ہو اور فلاح یہ ہے کہ اللہ کو راضی کرنے والے کام کئے جائیں۔

قد افلح المومنون الذین ہم فی صلاتہم خاشعون والذین ہم عن

الغو معرضون والذین ہم للزکوۃ فاعلون۔

یہ ساری کی ساری باتیں فلاح والوں کی ہیں فلاح والے وہ ہوتے ہیں جو خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں آپ نے دیکھا روز دیکھتے ہیں آپ روز اور کبھی آپ کی پیشانی پر بل نہیں آتا کہ آدمی رکوع کرتا ہے اور رکوع میں جانے کے ساتھ ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے ٹھہرتا ہی نہیں اور جب رکوع کر کے اٹھتا ہے تو سیدھا کھڑا ہوئے بغیر ہی سجدے کی

طرف دوڑ جاتا ہے دیکھتے نہیں کبھی رنج ہوا کبھی اپنی نماز کیلئے اس طرح کا اہتمام کرنے کی فکر ہوئی نماز پڑھ رہے ہیں چالیس سال سے نماز پڑھ رہے ہیں بیس سال سے نماز پڑھ رہے ہیں پچاس سال سے نماز پہلے دن سے جو انداز اختیار کیا تھا آج تک وہی چل رہا ہے اس میں اصلاح کی کوئی فکر ہی نہیں قرآن کہتا ہے کہ فلاح نہیں ملے گی فلاح جب ملے گی جب نماز کے اندر خشوع خضوع ہوگا آرام سے اطمینان سے تسلی کے ساتھ دل لگا کر آپ نماز پڑھیں گے تو وسوسے بھی نہیں آئیں گے خیالات میں انتشار بھی نہیں آئے گا نماز کا شوق بھی پیدا ہوگا نماز کیلئے دل میں داعیہ بھی آئے گا اور یہ جب ہی آئے گا جب نماز کو خوبصورت بنا کر پڑھنے کی کوشش کی جائے گی۔

مسجد کو آپ نے پندرہ منٹ دیے ہم کہتے ہیں کہ بیس منٹ دے دو کوئی آپ کی ساری عمر مانگ لی بیس منٹ آپ لگائیں گے تو ذرا تسلی سے نماز ہوگی اور تسلی سے نماز ہوگی تو فلاح حاصل ہوگی۔

بہر حال وقت تو بہت تھوڑا سا ہے اور باتیں میرے ذہن میں بہت آگئیں۔

لغو باتوں سے اجتناب

والذین ہم عن اللغو معرضون بے کار باتیں بے کار کام جو رات دن کا ہمارا مشغلہ ہے جس کو ہم گپ شپ کہتے ہیں یہ گپ شپ کا دھندا مولویوں میں بھی بڑے عروج پر ہوتا ہے صوفیوں کے اندر بھی بڑے عروج پر ہوتا ہے اور طالب علموں کے اندر بھی بڑے عروج پر ہوتا ہے اور کوئی طبقہ بھی ہمارا اس گپ شپ سے خالی نہیں اور یہ لفظ بھی ان کو بڑا پیارا اور بڑا محبوب ہے اور مجھے ہمیشہ زبان سے یہ لفظ ادا کرنے میں تکلیف ہوتی ہے یہ جناب کا ہمارا مشغلہ ہے، فلاح نہیں حاصل ہو سکتی فلاح جب حاصل ہوگی جب آپ اس لغو اور بے مقصد کاموں اور بے مقصد باتوں سے اپنے آپ کو فارغ کریں گے اور ان سے فارغ کر کے اللہ کی طرف رجوع اللہ کو یاد کریں گے اللہ کے حکموں پر چلیں گے دوسروں

کو اللہ کے حکموں پر چلنے کی ترغیب دیں گے، یہ آپ کے کام ہوں گے اور لغو اور فضول کام اور فضول باتیں آپ کی نہیں ہوں گی تب آپ کو فلاح ملے گی۔

تو عرض یہ کرنا ہے کہ فلاح موقوف ہے تزکیہ پر تزکیہ کے بغیر فلاح نہیں، فلاح کیا ہے اس کا میں ذکر کیا کہ یہ اچھے بھلے نیک کام ہیں ان اچھے بھلے نیک کاموں کے اندر آدمی اگر مشغول ہوگا تو پھر وہ ان شاء اللہ فلاح یاب ہوگا۔ تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں کامیاب ہوں گی۔

سب سے پہلا حکم تزکیہ کا ہے

اب آگے پڑھیے کہ و یعلہم الكتب والحكمة سمجھ لو اچھی طرح سے کہ قرآن آگیا تزکیہ کی محنت شروع ہوگئی ابھی احکام شرعیہ کی تعلیم کا سلسلہ شروع نہیں ہوا نماز بھی بہت دیر سے آئی زکوٰۃ بھی بہت دیر سے آئی روزہ بھی بہت دیر سے آیا اور حج بھی بہت دیر سے آیا یہ ساری چیزیں بعد کی ہیں قرآن کا نزول ہو گیا ذلک الكتب لاریب فیہ آگئی یتلوا علیہم پیغمبر نے اس پیش کرنا شروع کر دیا اور پیغمبر نے اس کو پیش کرنا جب شروع کر دیا تو یز کیہم وہ تزکیہ کا عمل جاری ہو گیا، یہ آپ کی مدرسے کی کتابیں اور یہ آپ کے مدرسے کی تعلیم اور یہ آپ کی قرآن و سنت کی تدریس یہ سارا مرحلہ مفید موثر اور دل بہار اثرات اور نتائج کا حامل جب ہی ہوگا جب اس سے پہلے تزکیہ کا اہتمام ہو، اگر تزکیہ کا اہتمام پہلے نہیں ہوگا آپ بہت اچھی تقریر کر سکیں گے۔

واعظ کا ہر ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ صحیح

آنکھوں میں سرور عشق نہیں چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

تقریر تو بڑی شاندار لچھے دار ہے لیکن یہ کہ وہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے محبت کے تعلق تزکیہ کے جو آثار ہوتے ہیں وہ کہیں نظر نہیں آتے وہ کیوں نہیں نظر آتے وہ اس لئے نظر نہیں آتے کہ انہوں نے تزکیہ کا اہتمام ہی نہیں کیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے نزول کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ کی زندگی میں صحابہ کرام کیلئے تزکیہ ہی کا اہتمام کیا ان کا یقین پختہ کیا ان کا اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق مضبوط کیا ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت پیدا کی ان کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کی۔

میں نے عرض کیا کہ نماز تو بعد میں آئی زکوٰۃ تو بعد میں آئی نزول قرآن کے ساتھ تزکیہ کا ذکر تو ساتھ ساتھ ہو گیا تو اس لئے اگر ہم تزکیہ کا اہتمام کریں گے تو اللہ کی محبت بھی آئے گی اللہ کا خوف اور اس کی عظمت بھی آئے گی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق مستحکم اور مضبوط ہوگا اور آپ مجھے بتاؤ جب اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا تو اللہ کی نافرمانی ہوگی، یہ تو نافرمانی ہوتی اس لئے کہ تعلق کمزور ہے۔

آپ کو معلوم ہے نافرمانیوں کی بہت قسمیں ہیں میں آپ کے سامنے بیٹھا آپ کو نہیں معلوم میں کتنی نافرمانیوں کا ارتکاب کرتا ہوں مجھ سے کتنی غلطیاں ہوتی ہیں کتنی کوتاہیاں ہوتی ہیں کیوں ہوتی ہیں اس لئے وہ محبت وہ خشیت جو ان تمام چیزوں سے روکنے والی ہے اس میں کسر ہی کسر ہے تو اس بنا پر میں یہ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یتلوا علیہم آیاتہ کے بعد ویز کیہم کا ذکر فرمایا ہے اور اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ تزکیہ مقدم ہے اور فلاح تزکیہ پر موقوف ہے۔

تزکیہ کے آثار

اور آپ کو معلوم ہے تزکیہ کے آثار کیا ہوتے ہیں قرآن کی آیتیں میں نے پڑھی ہیں قد افلح المومنون الذین ہم فی صلاتہم خاشعون والذین ہم عن اللغو معرضون الخ لمبی آیتیں ہیں سب تزکیہ کے نتائج اور اس کے آثار بیان کئے گئے ہیں ہدی للمتقین الذین یومنون بالغیب الخ یہ سب تزکیہ ہی کے آثار ہیں تزکیہ ہوتا ہے یہ ساری صفات آدمی کے اندر پیدا ہوتی ہیں تزکیہ ہوتا ہے قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی اللہ کی یاد غالب آجاتی ہے نمازوں کا اہتمام ہوتا ہے اور دنیا سے اعراض اور

نفرت ہو جاتی ہے قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا جو آدمی تزکیہ کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے جو تزکیہ سے گریز کرتا ہے وہ تباہ اور برباد ہو جاتا ہے یہ سارے کے سارے آثار تزکیہ کے ہوتے ہیں تزکیہ کا اثر ہوتا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ جب آدمی کا تزکیہ ہو جائے تو پھر وہ دوسروں کیلئے موزی نہیں ہوتا وہ دوسروں کیلئے تکلیف دہ نہیں ہوتا ہم اپنے گھروں میں رہتے ہیں بھائی بھائی کیلئے سانپ بنا ہوا ہے بیوی اپنے شوہر کیلئے ایک مصیبت بنی ہوئی ہے شوہر اپنی بیوی کیلئے عذاب جان ہو گیا ہے بہنوں میں لڑائیاں بھائیوں میں لڑائیاں خاندانوں کے اندر لڑائیاں یہ کیوں؟ تزکیہ نہیں، جب تزکیہ ہوتا ہے پھر بات یہ ہوتی ہے جناب والا جو آدمی شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ انما الاعمال بالنیات اپنی نیت صحیح رکھتا ہے اور اللہ کی رضا کیلئے وہ کام کرتا ہے مطلب یہ کہ ساری معاشرت اور ساری رہن سہن کی زندگی کے طریقے وہ اللہ کے حکموں کے مطابق ہو جاتے ہیں اور دنیا جنت بن جاتی ہے اور اگر تزکیہ نہ ہو تو یہ دنیا دوزخ بن جاتی ہے تو اس لئے تزکیہ بہت ضروری ہے۔

تقویٰ کا حکم

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کو حکم دیا یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاۃ بڑا مشکل حکم ہے اللہ سے جیسے ڈرنا چاہیے ویسے ڈرو، اب آدمی سوچتا ہے اللہ سے ڈرنے کا معاملہ تو بڑا نازک ہے اور بڑا مشکل ہے جیسے حق ہے ایسے ہم تقویٰ کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو جیسے کہ اس کی عظمت اور جلال کا حق بنتا ہے لیکن سوال یہ ہوگا کہ جب اللہ نے حکم دیا تو معلوم ہوا کہ اختیار کیا جاسکتا ہے اگر اختیار کرنا ممکن نہ ہوتا تو اللہ حکم کیوں دیتے اللہ نے حکم دیا حدیث میں آتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ کوئی خیال کوئی

وسوسہ نماز کے علاوہ اس کے اندر نہ آئے تو اللہ اس کی بخشش کر دیتا ہے تو کئی طالب علم ہم سے پوچھا کرتے ہیں کہ تو ممکن نہیں کہ کوئی بھی خیال نہ آئے تو ہم ان سے کہتے ہیں تو بے وقوف ہے اگر ممکن نہ ہوتا تو اللہ کا رسول ذکر ہی نہ کرتا، تو معلوم ہوا کہ تم نے کوشش نہیں کی اگر تم کوشش کرو تو یقیناً آپ کو ایسی نماز حاصل ہو جائے گی کہ جس کے اندر نماز کے علاوہ کوئی خیال نہ آئے مگر ہم تو کوشش کرتے ہی نہیں میں نے بتایا ہم تو پچاس سال سے جس طرح الٹی سیدھی نماز پڑھ رہے ہیں ویسی ہی پڑھ رہے ہیں اس کی اصلاح نہیں ہو رہی وجہ کیا ہے تزکیہ نہیں، تزکیہ ہوگا تو یہ ساری باتیں آجائیں گی قرآن کہتا ہے یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سديدا قرآن کہتا ہے یا ایہا الناس اتقوا ربکم ہر جگہ تقویٰ کا ذکر ہے اور میں نے کہا ایک جگہ تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اتقوا اللہ حق تقاہ اور خالی کہا نہیں پھر امتحان بھی لیا اور مسئلہ بڑا مشکل ہے موضوع بہت دشوار ہے تقویٰ بہت ہی نازک چیز ہے جیسے اخلاص بڑی نزاکت والا موضوع ہے ایسے ہی یہ تقویٰ جو ہے یہ بڑی نزاکت والا موضوع ہے جس کا حکم قرآن بار بار دے رہا ہے۔

تقویٰ کا امتحان

پھر آگے کیا کہتا ہے اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ لهم مغفرة واجر عظیم اللہ نے امتحان لے لیا، حکم دیا جگہ جگہ دیا بار بار دیا اعلیٰ درجہ کا تقویٰ اختیار کرنے کیلئے فرمایا اور چھوڑ نہیں دیا بلکہ امتحان بھی لیا اور قرآن میں اس امتحان کا ذکر بھی کیا اور پھر نتیجہ بھی آؤٹ کیا اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ لهم مغفرة واجر عظیم، میں کہا کرتا ہوں مغفرت میں تو خبر ہے کہ پاس ہو گئے اور اجر عظیم میں خبر ہے کہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہو گئے امتحان لینے والا اللہ، ایک تو مولوی صاحب اپنی کلاس کا امتحان لیتے ہیں اور وہ مولوی صاحب بیچارے طالب علم کے مقابلے میں ان کا علمی مبلغ بلند ہوتا ہے ان کا علمی مقام اعلیٰ ہوتا ہے لیکن یہ کہ ان کے علم میں نقص تو ہوتا

ہے وہ بھی اپنے علم کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں باکمال عالم ہوں اور کوئی کہتا ہے تو گدھا ہے، وہ امتحان لیتے ہیں اور پاس کرتے ہیں طالب علم اچھلتے ہیں کودتے ہیں کہ ہمیں تو استاد نے پاس کر دیا اگر امتیازی نمبر آجائیں تو سبحان اللہ پھر تو اس کی شہرت اتنی ہوتی ہے کہ لوگ رسالوں میں بھی چھپواتے ہیں، یہاں امتحان لینے والے اللہ پاک ہیں جو علیم بذات الصدور ہیں جن سے کوئی چیز پوشیدہ ہو ہی نہیں سکتی ممکن ہی نہیں ہے وہ امتحان لیں گے اور ان کو کوئی مغالطہ لگ جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان کا امتحان بالکل سو فیصد سے زیادہ صحیح اور درست ہوگا اور وہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ یہ ہمارا طالب علم کامیاب ہے، کیوں کامیاب ہوئے، سوچ لو، اچھے تزکیہ کی بنیاد پر کامیاب ہوئے اگر تزکیہ نہ ہوتا تو کامیابی کا سوال ہی نہیں۔

تاریکین تزکیہ کا ٹھکانہ

وہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنے تزکیہ کا اہتمام نہ کیا جو انکاری تھے، مخالف تھے وہ تو تھے ہی نہیں، وہ نہیں جولا الہ الا اللہ پڑھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری دیتے تھے وہ مسجدوں میں بھی ہوتے تھے، وہ مجلسوں میں بھی ہوتے تھے، جہاد کے اندر بھی ہوتے تھے لیکن تزکیہ نہیں کرتے تھے تو ان کیلئے کیا فرمایا:

ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار وہ جہنمی ہیں اور بڑے خطرناک طبقے میں جہنم کے اندر ان کو ڈالا جائے گا اذا جاءك المنفقون قالوا نشهد انك لرسول الله منافق آتے ہیں اور زور لگا کر کہتے ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں واللہ يعلم انك لرسوله اللہ جانتے ہیں وہ واقعی آپ کے رسول ہیں واللہ يشهد ان المنافقين لكاذبون یہ جو آپ سے کہہ رہے ہیں یہ آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں یہ اس بات میں جھوٹے ہیں، ان کا تو تزکیہ ہوا ہی نہیں۔

اہل اللہ کی صحبت

اس لئے میرے عزیز و اور میرے دوست و اپنا تزکیہ کراؤ اور تزکیہ کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ والوں سے اپنے آپ کو واسطہ کر دو، میں یہ بات کہا کرتا ہوں کہ کہیں لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بزرگوں کے پاس لایا کرتے ہیں تو لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کو بزرگوں کے پاس جانے کا فائدہ؟

اپنا ذاتی واقعہ

میں اپنا فائدہ بتاتا ہوں آپ کو، میں بہت چھوٹا سا تھا بہت ہی چھوٹا تھا آپ کو تعجب ہوگا کہ میرے باپ نے مجھے تین پہیوں کی سائیکل بچپن میں خرید کر دی تھی اس پر سوار ہو کر میں تھانہ بھون مولانا کی مجلس میں جایا کرتا تھا کچا راستہ تھا سڑکیں نہیں تھیں اور میں اتنا سا تھا، پھر اس کے بعد میرے باپ نے جن کو مجھ سے عشق تھا اور محبت تھی چھوٹے بچوں کی دو پہیوں والی سائیکل خرید کر دی اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا اور مولانا کا بڑا مکان جو تھا اس کے ساتھ ساتھ بھائی نیاز کا حجرہ تھا درمیان میں بس اتنا فاصلہ ہوگا کہ ہمارے سائیکل کا سٹینڈ بنتا تھا، وہاں کھڑی کر کے ہم مولانا کی مجلس میں جایا کرتے تھے اور کیوں جایا کرتے تھے یہ پتا نہیں، وہاں بیٹھے ہوئے تماشا دیکھا کرتے تھے، تماشا کیا ہوتے تھے وہاں کا تماشا خاص اور پسندیدہ تماشا یہ تھا کہ مولانا گردن جھکا کر بیٹھے ہوتے تھے اور جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے ہوتے وہ مولانا کو ٹک ٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہوتے تھے پھر مولانا صاحب آہستہ آہستہ اپنی نظر اٹھاتے تھے تو سب لوگوں کی نظریں آہستہ آہستہ نیچے ہو جاتی تھیں، عجیب تماشا تھا ہمیں بڑا مزہ آتا تھا، یہ کیا چکر ہے مولوی صاحب نے سر نیچے کر رکھا ہے تو سارے مولوی صاحب کو گھور رہے ہیں اور سر مولوی صاحب نے سر اوپر کیا ہے تو ساروں کی نظریں نیچی ہو گئیں، اب سمجھ میں آیا، کہ کیا سمجھ میں آیا، کہ مولانا کی عظمت ان کے دل میں بہت زیادہ تھی اور مولانا کی محبت بھی بہت زیادہ تھی، محبت کی وجہ سے گھورتے

تھے اور عظمت کی وجہ سے سر جھکا لیتے تھے، تو یہ تماشے ہم نے دیکھے اور برسوں دیکھے دو چار مہینے نہیں کنیں برس دیکھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج اللہ نے ہمیں آپ کے سامنے لا کر بٹھا دیا، مطلب کیا کہ وہ جو وہاں کی حاضری تھی اس کی برکت کا اثر دل و دماغ کی طرف متوجہ ہوا، اگرچہ ہم طالب نہیں تھے اس لئے کہ طلب کرنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی بہت چھوٹے تھے نا سمجھ تھے مگر فائدہ تو ہونا، تو ایسے طریقے سے اپنے چھوٹے بچوں کو اللہ والوں کے پاس لے جائیں ان سے دعائیں کرائیں یہ ان کیلئے بہت مفید ہوتا ہے ان کی آئندہ زندگی کیلئے۔

اعلان خلافت

ایک مسئلہ اور ہے تھوڑا سا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ادم علیہ السلام کو پیدا کیا وہ واذ قال ربك للملائكة اني جاعل في الارض خليفة اور ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور خلیفہ مقرر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کو اور ان کی ہدایات کو بطور نیابت اللہ کی مخلوق تک پہنچائیں اس کے بعد پھر انبیاء علیہم السلام کے یہاں بھی یہ سلسلہ خلافت چلتا رہا، آپ کو معلوم ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلفاء میں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق مشہور خلفاء ہیں اور پھر گویا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بھی الخلافة بعدی ثلاثون سنة کا ارشاد موجود ہے اور حضرت ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ مقرر ہوئے اور ان کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور ان کے بعد پھر حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہوئے اور ان کے بعد پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں نامزدگی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا سلسلہ اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ برابر چلتا رہا تو آج میں نے ارادہ کیا ہے کہ مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب کو میں خلافت دیدوں اور میں نے اب تک

کسی کو خلافت نہیں دی، اور اس کی وجہ میں نے ان کو تفصیل سے سمجھائی کہ حالات اس طرح کے ہیں کہ اس خلافت کا استعمال بہت غلط ہوتا ہے اور اس خلافت کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کیا جاتا، لیکن ان کے بارے میں ان کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کے پیش نظر مجھے بہت حد تک اطمینان ہے کہ یہ اس کا استعمال غلط نہیں کریں گے اور اس کے علاوہ ان کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کے اعتبار سے بہت ساری صلاحیتیں عطا فرمائیں ہیں، ان کے متعلق کہوں گا کہ وہ اس میں اور مزید کوشش کریں اور آج کا موضوع میری گفتگو کا تھا کہ اپنے تزکیہ کی طرف خاص طور سے توجہ دیجائے اس کا اہتمام بلیغ ان کی طرف سے ہونا چاہئے۔ چونکہ تعلیم کتاب کی یا حدیث کی ہو یا وہ فقہ کی ہو وہ اپنے اثرات اور اپنے نتائج کے اعتبار سے اس وقت خوش گوار اور دل بہار بنتی ہے جبکہ پہلے تزکیہ کا بھی اہتمام ہو تو اس لئے ان کو ان ساری باتوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔ آپ دعا کریں جو باتیں کہی گئی ہیں اللہ ان کو قبول فرمائیں اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

سڑکوں کا ناجائز استعمال

دھیان نہ ہو تو انسان یہ جانے بغیر غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے کہ اس سے کوئی غلط کام سرزد ہو رہا ہے، اسی خیال کے پیش نظر میں نے پچھلے مضامین میں یہ بات شروع کی تھی کہ کسی دوسرے کی چیز کا ایسا استعمال جو اس کی خوش دلا نہ مرضی کے خلاف ہو، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق حرام ہے۔ اس کی کچھ مثالیں عرض کی گئی تھیں جن کی طرف عام طور سے دھیان نہیں ہوتا، بعض دوستوں نے بتایا کہ واقعی پہلے اس پہلو کی طرف توجہ نہیں تھی کہ یہ کام دینی اعتبار سے کوئی گناہ بھی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس خامہ فرسائی کے نتیجہ میں کسی ایک فرد کے دل میں بھی غلط کام کے غلط ہونے کا احساس پیدا ہو جائے یا کسی ایک کا ضمیر بھی جاگ جائے تو ان مضامین کی قیمت وصول ہے۔

اب اسی سلسلے میں ایک اور پہلو مزید توجہ کا طالب ہے، جو چیزیں کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں ہوتی ہیں ان کے بارے میں تو تھوڑا بہت احساس لوگوں کو ہو بھی جاتا ہے، لیکن جو چیزیں ”سرکاری املاک“ کہلاتی ہیں، ان کے بارے میں واقعی ”مال مفت دل بے رحم“ کی مثل صادق آتی ہے۔ ان پر قبضہ کر لینا ان کو خلاف قانون استعمال کرنا یا بے دردی سے استعمال کرنا ایسی عام بات ہو گئی ہے جس پر انگلیاں بھی نہیں اٹھتیں، حالانکہ سرکاری اشیاء برسر اقتدار افراد کی ملکیت نہیں ہوتیں، پوری قوم کی ملکیت ہوتیں ہیں، اور ان کا ناجائز استعمال صرف کسی ایک شخص کی نہیں سارے عوام کی حق تلفی ہے، اور یہ حقوق العباد کا اتنا خطرناک شعبہ ہے کہ اس میں اگر کوئی حق تلفی ہو جائے تو اس گناہ کی معافی انتہائی مشکل ہے، اس لیے کہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں: حقوق العباد کے گناہ صرف توبہ اور استغفار سے معاف نہیں ہوتے، بلکہ ان کی معافی کے لیے اس شخص کا معاف کرنا ضروری ہے جس

کا حق پامال کیا گیا، اب اگر وہ شخص ایک ہو اور معلوم ہو تو اس سے معافی مانگی جاسکتی ہے، لیکن سرکاری املاک کے حق دار چونکہ سارے عوام ہیں اس لیے اگر کبھی ندامت اور توبہ کی توفیق ہو تو آدمی کس کس سے معافی مانگتا پھرے گا؟ یہ بات مد نظر رکھتے ہوئے ان چند تصرفات پر غور فرمائیے جو ہمارے معاشرے میں بری طرح پھیلے ہوئے ہیں۔

(۱) سرکاری زمینوں پر تجاوزات اسی قسم کی غاصبانہ کارروائی ہے جس کا تعلق حقوق العباد کے اس سنگین شعبے سے ہے، ہمارے علماء نے فقہ کی کتابوں میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ جس شخص کا مکان سڑک کے کنارے واقع ہو، وہ اپنی کھڑکی پر سائبان لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لگا سکتا ہے تو زیادہ سے زیادہ کتنا لمبا چوڑا؟ حالانکہ سائبان لگانے سے زمین کے کسی حصے پر قبضہ نہیں ہوتا، بلکہ فضا کا بہت تھوڑا سا حصہ استعمال ہوتا ہے۔

نیز یہ مسئلہ بھی فقہاء کے یہاں زیر بحث آیا ہے کہ جس شخص نے عام لوگوں کی گزرگاہ پر راستہ روک کر دکان لگالی ہو اس سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس شخص نے چونکہ عوام کا حق غصب کر رکھا ہے لہذا اس سے سودا خریدنا اس کی غاصبانہ کارروائی میں تعاون ہے، اس لیے اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں، بعض دوسرے فقہاء اگرچہ اس حد تک نہیں گئے، لیکن انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ امید ہو کہ سودا نہ خریدنے سے اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے گا تو اس سے واقعی سودا نہ خریدنا چاہئے، اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی قانون تجاوزات کے بارے میں کتنا حساس ہے؟

ہمارے معاشرے میں تجاوزات کوئی قابل ذکر عیب ہی نہیں رہے، جس کا جی چاہتا ہے وہ اپنے مکان یا دکان کے گرد یا پوری سرکاری زمین پر قبضہ جما کر بیٹھ جاتا ہے، بلکہ ہمارے گرد و پیش میں جس طرح یہ تجاوزات پھیلے ہوئے ہیں ان میں ایک نہیں کئی گناہ بیک وقت جمع ہیں۔ اول تو عمومی زمین پر ناجائز قبضہ ہی بڑا سنگین گناہ ہے۔ دوسرے

عموماً ان تجاوزات سے راستہ چلنے والوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، اور راہ گیروں کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا ایک مستقل گناہ ہے، جس پر حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ تیسرے ہمارے ماحول میں یہ تجاوزات رشوت خوری کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ بنی ہوئی ہیں کیونکہ انہیں باقی رکھنے کے لیے متعلقہ اہلکار کو بھتہ دینا پڑتا ہے، اور یہ بھتہ ایک مرتبہ دینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ ہفتہ وار یا ماہانہ تنخواہ کی طرح اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے اہلکار دل سے یہی چاہتے ہیں اور اس کی پوری کوشش بھی کرتے ہیں کہ یہ تجاوزات ختم نہ ہوں، تاکہ ان کی ”آمدنی“ کا یہ ذریعہ بند نہ ہونے پائے، لہذا ان کو اپنے فرائض سے غافل کرنے بلکہ فرائض کے برعکس کام کرنے کا گناہ بھی اس میں شامل ہو تو بعید نہیں۔

(۲) اس طرح ہمارے ملک میں یہ بھی رواج عام ہو گیا ہے کہ جلسوں اور تقریبات کے لیے چلتی ہوئی سڑک روک کر شامیانے اور قاتیں لگالی جاتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں آنے جانے والی گاڑیوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور ٹریفک کے نظام میں بعض اوقات شدید خلل واقع ہو جاتا ہے، یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے سے گزرنا جائز نہیں، اور احادیث میں اس بات کی سخت تاکید کی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص کسی نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، لیکن ساتھ ہی شریعت نے نماز پڑھنے والے کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھنا شروع نہ کرے جہاں لوگوں کو گزرنے میں دشواری ہو، مثلاً مسجد کا صحن اگر کھلا ہوا ہے تو صحن کے بیچوں بیچ یا اس کے آخری سرے پر نماز کے لیے کھڑے ہو جانا اس صورت میں جائز نہیں جب سامنے لوگوں کے گزرنے کی جگہ ہو اور نماز شروع کرنے کی وجہ سے انہیں لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہو، لہذا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھو جہاں یا تو سامنے کوئی ستون وغیرہ ہو جس کے پیچھے سے لوگ گزر سکیں یا سامنے نماز ہی کی صفیں ہوں۔

اگر کوئی شخص اس ہدایت کا خیال نہ رکھے اور صحن کے بچوں بیچ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گزرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کے گزرنے کا گناہ نماز پڑھنے والے پر ہوگا سامنے سے گزرنے والے پر نہیں۔

غور فرمائیے کہ مسجدیں عموماً بہت بڑی نہیں ہوتیں، اور اگر کسی شخص کو چکر کاٹ کر نکلنا پڑے تو اس کے ایک دو منٹ سے زیادہ خرچ نہیں ہوتے، لیکن شریعت نے اس ایک دو منٹ کی تکلیف یا تاخیر کو بھی گوارا نہیں کیا، اور نمازی کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ لوگوں کو اس معمولی تکلیف سے بھی بچائے ورنہ گناہ گار وہ خود ہوگا۔

جب شریعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی شخص ہماری وجہ سے اس معمولی تکلیف میں مبتلا ہو تو سڑک کو بالخصوص آج کی مصروف زندگی میں اگر کسی شخص کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں چند منٹ کی تاخیر بھی ہو جائے تو بعض اوقات اس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے، کسی بیمار کو اسپتال پہنچانا ہو یا کسی بیمار کے لیے دوا لے جانی ہو یا کوئی مسافر ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے پہنچنا چاہتا ہو، اور ہمارے جلسے یا تقریب کی وجہ سے اسے پانچ یا دس منٹ کی تاخیر ہو جائے تو کہنے کو یہ تاخیر پانچ دس منٹ کی ہے، لیکن اس تاخیر کے نتیجے میں بیمار رخصت بھی ہو سکتا ہے، مسافر اپنے سفر سے بالکل محروم بھی ہو سکتا ہے، اور جن جن لوگوں کو اس طرح کا نقصان پہنچا ہو، ہمیں نہ ان کا نام معلوم ہے نہ پتہ، اور نہ ہی نقصان کی نوعیت، لہذا اگر اس گناہ کی تلافی کرنا بھی چاہیں تو اس کا کوئی راستہ اختیار میں نہیں، ذاتی طور پر مجھے تو ان جلوسوں کا شرعی جواز بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے جو گھنٹوں کے لیے آمد و رفت کا نظام درہم برہم کر کے عام لوگوں کو ناقابل بیان اذیتوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، کیونکہ یہ ساری خرابیاں ان میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔

(۳) یہ مناظر بھی بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں کہ سڑکوں کو کرکٹ کا میدان

بنالیا جاتا ہے، اور سڑک کے پیچوں بیچ وکٹ یا وکٹ نما کوئی چیز نصب کر کے باقاعدہ کھیل شروع ہو جاتا ہے، اس پاس کی ہر کھڑی یا چلتی ہوئی گاڑی بیٹسمین کے چوکوں کی زد میں ہوتی ہے، اور گیند کے پیچھے دوڑتے ہوئے فیلڈر آنے جانے والی گاڑی کی زد میں، یہ منظر گلیوں اور چھوٹی سڑکوں پر تو نظر آتا ہی رہتا ہے، لیکن کچھ عرصہ پہلے دیکھا کہ ایک ایسے مین روڈ پر باقاعدہ میچ ہو رہا تھا جہاں عام طور سے گاڑیاں ساٹھ ستر کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑتی ہیں، یہ عوامی سڑک کا سراسر ناجائز استعمال تو ہے ہی خود کھیلنے والوں کے لحاظ سے بھی اقدام خودکشی سے کم نہیں، گیند کے پیچھے دوڑنے والے کے تمام تر ہوش و حواس گیند پر مرکوز ہوتے ہیں، اور وہ یکا یک پیش آ جانے والی کسی صورت حال کی وجہ سے اپنے جسم کو کنٹرول کرنے پر قادر نہیں ہوتا، لہذا اچانک کوئی گاڑی سامنے آ جائے تو کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا ہے، اور اس قسم کے حادثات پیش بھی آ چکے ہیں، اور جب اس کھیل کے نتیجے میں جانیں تک چلی گئی ہیں تو گاڑیاں اور ان کے شیشے ٹوٹنے کا کیا شمار؟

اس صورت حال کی ذمہ داری ان نوعمر کھیلنے والوں سے زیادہ ان کے والدین، سرپرستوں اور ان سرکاری کارندوں پر عائد ہوتی ہے جو انہیں اس خطرناک کھیل میں مصروف دیکھتے ہیں اور اس سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتے، دوسری طرف بڑے شہروں میں کھیل کے میدانوں کی کمی بھی اس صورت حال کا سبب ہے جس کی طرف حکومت کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۴) سڑکوں پر بے جگہ گاڑیوں کی پارکنگ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم انتہائی بے حسی کا شکار ہیں۔ چھوٹی گاڑیاں تو ایک طرف رہیں بڑی بڑی وینیں اور بسیں بھی ایسی جگہ کھڑی کر دی جاتی ہیں کہ آنے جانے والوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے، یا گزرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چونکہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر رکھا ہے، اس لیے یہ عمل کرتے وقت کسی کو یہ دھیان نہیں آتا کہ وہ محض

بے قاعدگی کا نہیں بلکہ یہ ایک ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اول تو جس جگہ پارکنگ ممنوع ہے اس جگہ گاڑی کھڑی کر دینا اس عوامی جگہ کا ناجائز استعمال ہے، جو غصب کے گناہ میں داخل ہے، دوسرے حاکم کے ایک جائز حکم کی خلاف ورزی ہے، تیسرے اس بے قاعدگی کے نتیجے میں جس جس شخص کو تکلیف پہنچے گی، اسے تکلیف پہنچانے کا گناہ الگ ہے اس طرح یہ عمل جو غفلت اور بے دھیانی کے عالم میں روزمرہ ہوتا ہے، بیک وقت کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، جن پر دنیا میں چالان ہو یا نہ ہو، آخرت میں ضرور باز پرس ہوگی۔

اسی طرح بعض جگہ پارکنگ قانوناً ممنوع نہیں ہوتی، لیکن گاڑی اس انداز سے کھڑی کر دی جاتی ہے کہ آگے پیچھے کی گاڑیاں سرک نہیں سکتیں، یا گزرنے والوں کو کوئی اور تکلیف پیش آتی ہے، یہ عمل بھی دینی اعتبار سے سراسر ناجائز اور گناہ ہے۔

ہماری فقہ کی قدیم کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں جب خود کار گاڑیوں (آٹوموبائلز) کا رواج نہیں تھا، اور سفر کے لیے عموماً جانور استعمال ہوتے تھے، اس لیے ٹریفک کا نظام اتنا پیچیدہ نہیں تھا جتنا آج ہے، اس کے باوجود ہمارے فقہاء کرام نے سڑکوں پر چلنے اور گاڑیوں کے ٹھہرانے کے بارے میں شرعی احکام کی تفصیل نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کی ہے، اور اس سے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اور اس بات کا بھی کہ اسلام میں نظم و ضبط اور حقوق العباد کی کتنی اہمیت ہے؟ اس کا تقاضا یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمارا نظم و ضبط اور ہماری تہذیب و شائستگی مثالی ہو، لیکن افسوس ہے کہ اپنی غفلت اور بے دھیانی کی وجہ سے ہم اس قسم کے بے شمار گناہ روزانہ اپنے نامہ اعمال میں شامل کر کے اپنی آخرت بھی خراب کر رہے ہیں، اور دنیا بھر کو اپنے بارے میں وہ تاثر بھی دے رہے ہیں جو نہ صرف ہم سے نفرت کا باعث بنتا ہے بلکہ اسلام کی چمکتی ہوئی تعلیمات پر ہماری بد عملی کا نقاب ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ دین کا صحیح حسن دیکھنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ (ماخوذ از ذکر و فکر)

مولانا عبدالرحیم چاریاری

مجالس ذکر اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر ایک انتہائی اہم، ذیشان اور مقصودی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام الہی میں کسی بھی عبادت کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ: ”فلاں عبادت بہت زیادہ کرو!“ لیکن ذکر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً۔“ اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اس کے علاوہ بھی قرآن و سنت میں ذکر اللہ کے فضائل اس کثرت اور تاکید سے وارد ہیں کہ ذکر اللہ کی اہمیت اور فضیلت کا انکار یا اس کے بارے میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے مودود یا نہ، مما تیانہ یا غیر مقلد انہ حوصلہ درکار ہے۔ کوئی سستی ذکر اللہ کی اہمیت سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ”فضائل ذکر“ میں لکھتے ہیں:

”در حقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے، جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ نماز بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لیے ہے جو سراپا ذکر ہے۔“ [فضائل اعمال: ۴۴۳]

لیکن دیگر عبادات کی طرح اس عظیم الشان عبادت کے ”عبادت“ ہونے کے لیے بھی کچھ شروط و قیود ہیں۔ تاکہ اسے بدعت ہونے سے بچایا جاسکے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم کوئی مودودی نہیں ہیں کہ ذکر اللہ کی افادیت و اہمیت سے ہی انکار کر دیں، یا مما تیانہ یا غیر مقلد نہیں کہ ذکر اللہ کی جائز صورتوں کی مخالفت پر بھی کمر کس لیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم بریلوی اور بدعتی بھی نہیں ہیں کہ اپنا حلقہ بڑھانے کی خاطر جابجا ”اجتماعی ذکر بالجہر“ کی مجالس قائم کر کے ان کے لیے تداعی جیسی

بدعت کا اہتمام شروع کر دیں۔ ہم الحمد للہ اُن اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے پیروکار ہیں جنہوں نے کسی مقام اور کسی موڑ پر بھی نہ سنت کو چھوڑا اور نہ جماعت صحابہؓ کے طریقے کو۔ بلکہ شریعت کا مزاج سمجھ کر ہر چیز کو اُس کی جگہ پر رکھا۔ اور افراط و تفریط کی دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔

کچھ عرصہ سے دیوبندیہ اور اکابر دیوبند کے نام لیوا بعض حضرات نے مجالس ذکر میں اکابر اہل سنت کے طریقے کو چھوڑ کر اہل بدعت کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ اور اس کے جواز اور اثبات کے لیے لایعنی دلائل، باطل تاویلات، بے جا استدلالات اور خلط مباحث سے کام لے کر مضامین، کتابچوں اور مفصل کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حضرات مروجہ مجالس ذکر جن میں وقت و جگہ کی تعیین کے ساتھ تداعی اور اہتمام و باقاعدگی بھی ہوتی ہے، (اور یہ حضرات اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں۔) اس کی ایک مثال بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے نہیں پیش کر سکتے، حالانکہ ذکر کے مجامع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بھی تھے۔ اسی طرح تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور چودہ سو سالہ اسلاف امت میں ذکر کے مجامع موجود رہے۔ لیکن مروجہ مجالس ذکر کی کوئی مثال اُن کے ہاں نہیں ملتی۔ خصوصاً اکابر دیوبند حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، قطب الارشاد حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حکیم الامت حضرت تھانوی، شیخ العرب والعجم حضرت مدنی اور برکتہ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قسم کی مجالس ذکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔

مگر اب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے بعض خلفاء اور حضرتؒ کے بعض نام لیواؤں نے ”اجتماعی مجالس ذکر بالجہر“ اور ان کے لیے تداعی کے اہتمام کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، جو حضرت رحمہ اللہ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ ان حضرات نے اپنے بیانات، مضامین اور کتب میں ”مطلق ذکر بالجہر“ اور ”اجتماعی ذکر بالجہر“ کو ایسا خلط ملط کیا

ہے کہ الامان والحفیظ۔ حالانکہ ”ذکر خفی“ اور ”ذکر جہری“ کا باہمی تعلق اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ جبکہ ”اجتماعی ذکر بالجہر“ اور ”مجامع ذکر“ میں نسبت جواز اور عدم جواز کی ہے۔ ذکر بالجہر کے متعلق مفکر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں:

”یاد رکھیں! کہ قیام قیامت تک اور ہر حال میں افضل ذکر ”ذکر خفی“ ہے۔ اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہاں! ذکر بالجہر بھی جائز ہے، لیکن ہمارے بزرگ ذکر خفی ہی کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔“ [ذکر اللہ کے فضائل: ۲۲]

جبکہ مروجہ مجالس ذکر کے نتائج کے حوالے سے مولانا عثمانی ہی لکھتے ہیں:

”امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار کے پاس مصر کا بڑا عظیم الشان مدرسہ تھا جس میں بڑے جلیل القدر اہل علم پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، اب بھی یہاں درس اور ذکر کے کچھ حلقے ہوتے ہیں، لیکن باقاعدہ مدرسہ کی شکل باقی نہیں رہی، جب ہم مزارات سے فاتحہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو مسجد میں ذکر بالجہر کا ایک حلقہ ہو رہا تھا، لیکن اب یہ چیزیں رسوم کی حد تک باقی رہ گئی ہیں، اتباع سنت کا اہتمام جو ذکر و عبادت کی روح ہے، خال خال ہی کہیں نظر آتا ہے۔ فیالی اللہ المشتکی“ [جہان دیدہ: ۱۳۹]

مجالس ذکر پر یادگار اسلاف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ نے عام فہم انداز میں بہت عمدہ کلام فرمایا ہے جو ”ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات“ کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ ”ذکر جہری“ کے شرعی حکم سے متعلق امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی دو کتب ”اخفاء الذکر“ اور ”حکم الذکر بالجہر“ بھی لائق مطالعہ ہیں۔ اسی طرح مرشدی قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، فقیہ وقت ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ اور ترجمان اہل حق حضرت مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم کی تحریرات ہماری مرتبہ کتاب ”تحفظ عقائد اہل سنت“ میں شامل ہیں۔ جن کا خلاصہ یہی ہے کہ ذکر افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن انفرادی عبادت

ہے، اجتماعی نہیں۔ اور ذکر میں ”ذکر خفی“ افضل ہے۔ ذکر بالجہر صرف اُسے کرنا چاہیے جسے اُس کا مرشد بطور علاج بتائے۔ اُس کے لیے وہی بہتر ہے۔ اجتماعی ذکر کی کوئی مثال اگر ہمارے اکابر کے ہاں پائی جاتی ہے تو وہ صرف تعلیماً ہے۔ (اور اس کی اپنی شرائط ہیں۔) چنانچہ شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ مجلس ذکر کا سلسلہ آخر میں ختم فرمادیا تھا اور فرمایا تھا کہ: ”ہم صرف تعلیم کے لیے یہ مجلس قائم کرتے ہیں۔“ زیر نظر مضمون میں ذکر بالجہر اور اجتماعی ذکر بالجہر کے حوالے سے برکتہ العصر، ریحانۃ الہند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا موقف اُن کے مکاتیب کی روشنی میں لکھا جا رہا ہے، تاکہ اہل سنت عوام و خواص حضرت رحمہ اللہ کے موقف سے آگاہ ہو سکیں۔ اور حضرت کے سلسلہ کے بعض وہ حضرات جو مرجعہ مجالس ذکر کی تائید کرتے ہیں وہ بھی اپنے موقف پر نظر ثانی فرما سکیں۔ واللہ الموفق۔

(۱)..... حضرت رحمہ اللہ ذکر بالجہر کے بارے میں احتیاط کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ذکر کے متعلق میں نے متعدد احباب کے خطوط میں لکھا کہ وہاں (حج کے موقع پر) جہر نہ کیا جائے۔ خواہ کوئی رستے چلتا دیکھ کر مخالفت کرے۔ اپنے مقامات پر تخلیہ کی جگہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ ورنہ آہستہ کیا جائے۔ [مکتوبات حضرت شیخ الحدیث: ۲۰۷/۱]

حضرت رحمہ اللہ ”اپنے مقامات پر“ کے ساتھ ”تخلیہ“ (علیحدگی) کی شرط لگا رہے ہیں کہ جن کو اپنے مرشد کی طرف سے ”ذکر بالجہر“ کی اجازت ہے، وہ اپنے مقامات پر علیحدگی میں کریں۔ اور یہ کہ کہیں مخالفت اور فتنے کا خدشہ ہو تو مرشد کی اجازت کے باوجود وہاں انفرادی جہر پر بھی اصرار نہ کیا جائے۔

(۲)..... مسجد میں ذکر بالجہر کو ”بدعتی صورت“ سے بچانے کی تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مسجد میں ذکر بالجہر سے کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے سونے میں خلل نہ پڑے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کا ایسا

اہتمام نہ کیا جائے جس سے بدعتی صورت پیدا ہو جائے۔“ [مکتوبات: ۴/۵۷۷]
(نوٹ: سائل کا سوال انفرادی ذکر بالجہر سے متعلق ہے۔ ناقل)

یعنی انفرادی طور پر ذکر بالجہر کی تو اجازت ہے، لیکن اس افراد میں بھی ایسا اہتمام نہ ہو کہ بدعتی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً سب ذکرین اس بات کا اہتمام کرنے لگیں کہ فلاں وقت فلاں جگہ جمع ہو کر اپنا اپنا ذکر کیا کریں گے۔ اس ”اہتمام“ سے بدعتی صورت پیدا ہو جائے گی۔
(۳)..... حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجلس ذکر سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”اس ناکارہ کو تو یہ معلوم نہیں کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حلقہ کے ذکر کی کیا صورت ہے۔ لیکن اجتماعی ذکر (ذکر کے جمع [ناقل]) میں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک جگہ جمع ہو کر لوگ اپنے اپنے معمولات کا ذکر کرتے رہیں۔ یہ کئی نوع سے موجب تاثیر ہے۔ لیکن حلقہ (اجتماعی ذکر بالجہر [ناقل]) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔ اپنے ذہن میں ہمیشہ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ اس صورت میں ذکر کی طرف توجہ تام کے بجائے عوارض کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔“ [مکتوبات: ۴/۹۴۲]

اس مکتوب گرامی میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ صاف طور پر لکھ رہے ہیں کہ: حلقہ (اجتماعی ذکر بالجہر) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔ اس وضاحت اور صراحت کے باوجود حضرت رحمہ اللہ کے خلفاء کا مروجہ مجالس ذکر کا اہتمام کرنا اور ان کے لیے تداعی کو مستحب قرار دینا حضرت رحمہ اللہ کی تعلیمات سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے محتاج بیان نہیں۔

(۴)..... اجتماعی ذکر بالجہر سے متعلق حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا استفسار اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”یہاں جماعت کے امیر صاحب نے اہتمام ذکر کی تجویز کی ہے اور تقریباً ۲۶ آدمیوں نے اس کے لیے نام پیش کیے ہیں، مغرب کے بعد لوگ ذکر کریں گے۔ ان کی تین جماعتیں بنا دی گئی ہیں، ۶ روز مرکز میں برابر ذکر ہوا کرے گا اور ساتویں روز اجتماع کا ہے، اس روز اخیر میں سب یکجائی ذکر کریں گے اور اس کی ذمہ داری اس ناکارہ کے سر ڈالی ہے۔“

جواب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ:

”دل تو بہت چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ کسی طرح جاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ مدد فرمائے۔ اور خدا کرے کہ آپ کے ہی ذریعہ یہ سلسلہ چلے۔ اس کا لحاظ ضروری ہے کہ بدعتی صورت پیدا نہ ہو مثلاً ایک حلقہ میں سب کا ذکر نہ ہو، علیحدہ علیحدہ نشستیں تجویز کریں۔ اس کو آپ خود ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ایک نشست یعنی بالکل اجتماعی صورت یہاں بھی نہ ہو، مدرسہ قدیم میں جیسے متفرق لوگ کرتے رہتے ہیں اس میں مضائقہ نہیں۔“

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

”بعض لوگ کسی سے بھی بیعت نہیں۔ ان سب کے لیے احقر پریشان ہے کہ کیا کرے بغیر بیعت کے ذکر جہر مناسب ہے یا نہیں؟“

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: ”مناسب نہیں۔“

حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا کہ: ”سوم کلمہ، درود شریف، استغفار میں تو غالباً مضائقہ نہ ہوگا۔“

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: ”جہر سے نہ ہو۔“ [تربیت السالکین: ۱۵۶-۱۵۷]

غور فرمائیے! کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کو ایک محدود سطح پر چند مخصوص حضرات ذاکرین کا نگران مقرر کیا گیا۔ حضرت مفتی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے سوم کلمہ، استغفار اور درود شریف کو بھی جہراً

پڑھنے سے منع فرمادیا۔ جوذاکرین کسی سے بیعت نہیں تھے۔ ان کو جہر کرانے کو بھی نامناسب لکھا۔ اور جو باقاعدہ کسی کے مرید تھے، اور ذکر بالجہر کی اجازت حاصل تھی، اُن کے بارے میں یہ شرط رکھی کہ اجتماعی طور پر نہ کریں، بلکہ انفرادی طور پر ہر ایک اپنا اپنا ذکر کرتا رہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بعض متعلقین سے سوال:

اب حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بعض خلفاء (اور بعض وہ حضرات جو حضرت رحمہ اللہ سے خلافت کے مدعی ہیں) فرمائیں کہ:

[۱] آپ حضرات ملک بھر کے عوامی اجتماعات میں بیان کے بعد سارے مجمع کو ذکر بالجہر کراتے ہیں۔ کیا یہ عمل آپ کے مرشد کی تعلیمات کے مطابق ہے؟

[۲] اسی طرح آپ حضرات کے مراکز و خانقاہوں میں ”اجتماعی ذکر بالجہر“ کی باقاعدہ مجالس منعقد ہوتی ہیں، جن کے لیے اشتہارات و اعلانات کے ذریعے تداعی بھی ہوتی ہے، کیا یہ سب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مزاج و ذوق اور اُن کے موقف و نظریے کے خلاف نہیں؟

[۳] آپ حضرات اپنے خلفاء، متوسلین و متعلقین کو اجتماعی ذکر بالجہر کی مجالس منعقد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، کیا ایسا کر کے آپ اپنے شیخ رحمہ اللہ کے طریقے سے روگردانی نہیں کر رہے؟

اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر آپ کے پاس دو ہی راستے ہیں: (۱) یا تو اخلاص و عاجزی اور اپنے شیخ کی کامل اتباع کا اظہار کرتے ہوئے اپنے طرز عمل اور موقف کو حضرت شیخ رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق ڈھال لیں۔ (۲) اور یا پھر اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مجالس کا انعقاد حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نام پر کرنے کی بجائے اپنے نام پر کریں۔ اور عوام الناس کو مغالطہ دینے کی پالیسی ترک کر کے صاف صاف بات کریں۔

اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی تمام فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ اور اہل سنت کو تمام داخلی و خارجی فتنوں کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی مدظلہم

عدد 786 کی تحقیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج صبح مسجد میں بعد نماز فجر ایک صاحب نے مفتی ابراہیم ڈسائی صاحب کی ایک ای میل دکھائی۔ جس کا عنوان ہے Myth of 786 اور اس کے تحت لکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الامیر المومنین علیہ السلام ہرے کرشنا
787 786 786

اس کے بعد اس کے عدد اس طرح نکالے ہیں۔

ب	س	م		ا	ل	ل	ہ		ا	ل	ر
-2	-60	-40		-1	-30	-30	-5		-1	-30	-200
ح	م	ا	ن		ا	ل	ر	ح	ی	م	
-8	-40	-1	-50		-1	-30	-200	-8	-10	-40	

787=

ا	ل	ا	م	ی	ر		ا	ل	م	و	م	ن
-1	-30	-1	-40	-10	-200		-1	-30	-40	-6	-40	-50
ی	ن		ع	ل	ی	ہ	ا	ل	س	ل	ا	م
-10	-50		-70	-30	-10	-5	-1	-30	-60	-30	-1	-40

786=

ا	ن	ش	ر	ک		ے	ر	ھ
1-	50-	300	200-	20-		10-	200-	5

786=

اس حساب سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے عدد 786 نہیں بلکہ 787 ہیں۔ اور بسم اللہ کی جگہ جو 786 لکھنے کا رواج ہے وہ غلط ہے کیونکہ یہ عدد ”الامیر المؤمنین علیہ السلام“ یا ”ہرے کرشنا“ کے بنتے ہیں۔

مفتی صاحب کو علم الاعداد کے قواعد سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ غلطی لگی ہے۔ مفتی صاحب نے ”الرحمن“ کے عدد 330 شمار کئے ہیں جبکہ اس کے عدد 329 ہیں۔ کیونکہ علم الاعداد میں مرسوم کا اعتبار ہوتا ہے مقرر کا نہیں۔ گلبن تاریخ میں قواعد میں لکھا ہے:

”کیونکہ تاریخ میں کتابت کا اعتبار ہے نہ سماع، و قیاس و تلفظ کا“۔ ص-5۔

نیز آگے لکھتے ہیں:

”تاریخ میں جتنے حروف لکھے جاتے ہیں اگرچہ غیر ملفوظ ہوں ان کے عدد محسوب ہوتے ہیں۔ جب مد کا عدد لیا جائے تو حرکات ثلاثہ اور جزم وغیرہ نے کیا قصور کیا ہے (اسی طرح کھڑے زبر، کھڑی زبر، اور اٹے پیش کو سمجھو) اسی بنا پر حرف مدغم و مشد مثلاً نبتی، وصی، وفرخ، وخرم میں صرف ایک ”ی“ اور ایک ”ر“ کے عدد لئے جاتے ہیں پس الف مدودہ کا ایک ہی عدد ہوگا“۔ ص-6۔

معلوم ہوا کہ حرکات خواہ زبر، زیر، پیش، ہوں یا کھڑی زبر، کھڑی زیر، الٹا پیش ہوں۔ ان کے اعداد شمار نہیں ہوتے۔ اسی طرح حرف مشدود مدغم میں ایک ہی حرف شمار کیا جاتا ہے۔

چنانچہ رحمان کو اگر الف کے ساتھ لکھیں تو اس کے عدد 299 ہوں گے اور اگر بغیر الف کے اس طرح لکھیں، ”رحمن“ تو اس کے عدد 298 ہوں گے جیسے لفظ مولانا کو اگر واؤ

سے لکھیں یعنی ”مولانا“ تو اس کے عدد 128 ہوں گے اور اگر یاء کے ساتھ لکھیں مثلاً ”مولینا“ تو اس کے عدد 137 ہوں گے۔

مفتی صاحب نے خود لفظ امیر المؤمنین میں اس قاعدے کا اعتبار کیا ہے کہ اعتبار مرسوم کا ہے مقروء کا نہیں کیونکہ المؤمنین میں ہمزہ پڑھا جاتا ہے واؤ لکھا جاتا ہے۔ اور یہاں انہوں نے خود ہمزہ کا عدد نہیں لیا بلکہ واؤ کے چھ عدد شمار کئے ہیں۔ کیونکہ ہمزہ کی جو علامت ”ء“ لکھی جاتی ہے اس کا کوئی عدد فن تارتخ میں نہیں ہوتا جس حرف کی شکل میں لکھا جائے گا اس کا عدد شمار ہوگا۔ مثلاً باس، میں ایک، مؤمنون، میں چھ نبی عبادی میں دس معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے عدد 786 ہی ہیں جو شروع سے سب حضرات لکھتے چلے آ رہے ہیں۔

ب	س	م	ا	ل	ل	ہ	ا	ل	ر
-2	-60	-40	-1	-30	-30	-5	-1	-30	-200
ح	م	ن	ا	ل	ر	ح	ی	م	
-8	-40	-50	-1	-30	-200	-8	-10	-40	

786=

رہ گئی یہ بات کہ یہ عدد الامیر المؤمنین، یا ہرے کرشنا کے بنتے ہیں۔ اس لئے نہیں لکھنے چاہیے۔ تو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لئے کہ انہی اعداد کے اور بہت سے لفظ بنائے جاسکتے ہیں۔ جیسے۔ شہزادہ سلمہ الرحمن۔ ملک صورت۔ ذبیح اللہ۔ تاج العرفا۔ اس لئے کسی کلمہ کے اعداد کا دوسرے کلمہ سے ملنا کوئی بڑی بات نہیں۔

نیز عربی ترکیب کے اعتبار سے ”الامیر المؤمنین“ جملہ ہی غلط ہے کہ مضاف پر الف لام داخل نہیں ہوتا صحیح جملہ ”امیر المؤمنین علیہ السلام“ بنتا ہے جس کے عدد 786 نہیں بنتے۔

نیز فقہ کا قاعدہ ہے المعروف کالمشروط۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور عرف میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے 786 لکھنے کا رواج ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم چونکہ قرآن کریم کی ایک مستقل آیت ہے جس کو بے وضوء ہاتھ لگانا اور جس پر غسل واجب ہو اس کے لئے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے خطوط وغیرہ کے سرنامہ پر بجائے بسم اللہ کے 786 لکھ دیتے ہیں تاکہ بسم اللہ کی بے ادبی سے بچا جاسکے۔ اور خط پڑھنے والا ان اعداد کو دیکھ کر سمجھ لے کہ مجھے یہاں بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ اور ”کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ فہو اقطع وابتر“ کی وعید سے بھی بچا جاسکے۔

ان اعداد کا حکم بسم اللہ کا نہیں کہ بے وضوء ہاتھ لگانا جائز نہ ہو یہ اعداد بطور علامت لکھے جاتے ہیں جیسے 12 کا عدد عام طور پر کتابوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے جو مشیر ہے ”حد“ کی طرف کہ عبارت منقولہ یہاں تک ہے یہ اس کی آخری حد ہے۔ اسی طرح بعض مصنفین تیرھواں اور چودھواں لکھنے کے بجائے ”تج“ اور ”ید“ لکھ دیتے ہیں جو مشیر ہوتا ہے اعداد کی طرف کہ یاء کے دس جیم کے تین تیرہ۔ اسی طرح یاء کے دس دال کے چار چودہ۔ پس عرف میں 786 مشیر ہے بسم اللہ کی طرف نہ کہ ”ہرے کرشنا“ یا ”الامیر المؤمنین علیہ السلام“ کی طرف۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم میں لفظ رحمان کو الف کے ساتھ لکھنا چونکہ رسم عثمانی کے خلاف ہے۔ اس لئے بجائے الف کھڑے زبر سے لکھا جاتا ہے جس کا کوئی عدد نہیں ہوتا۔ تفسیر مظہری میں ہے:

”امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن جریر نے بسند ضعیف بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ یہودی آئے اور آپ نے ان کے روبرو سورہ بقرہ پڑھی تو انہوں نے حساب لگا کر جی ہی جی میں کچھ شمار کر کے کہا کہ ہم ایسے دین میں کیونکر داخل

ہو سکتے ہیں جس کے رواج کی مدت زیادہ سے زیادہ اکہتر برس ہے۔ کیونکہ اَلَمْ کے کل عدد بحساب ابجد اکہتر (71) ہوتے ہیں نبی کریم ﷺ نے سنا تو مسکرا کر خاموش ہو گئے اس پر یہودیوں نے حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی آپ پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اَلَمْص۔ اور اَلر اور اَلْم۔ یہ سن کر یہود بولے ابوالقاسم تم نے ہم کو اشتباہ میں ڈال دیا۔ (کیونکہ اَلَمْص کے عدد 161 اور اَلر 231 اور اَلْم کے عدد 271 ہیں) اب ہم حیران اور سخت حیران ہیں کہ کس کو لیں اور کس کو چھوڑیں، تفسیر المظہر ی ج 1 ص 1۔

اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان یہود نے اعداد حروف کو شمار کرتے وقت نہ تو مد کا کوئی عدد شمار کیا اور نہ ہی کھڑے زبر کا۔ پس معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں لفظ رحمان بوجہ رسم عثمانی کی مخالفت بغیر الف کھڑے زبر سے لکھا جائے گا اور اس کھڑے زبر کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جائے اس طرح یہ اعداد 786 ہی بنتے ہیں۔ اور وہی صحیح ہیں۔ فافہم ذالک واستقم۔